جنت کا متلاشی



اشفاق احمد خاں

دارالسلام
DARUSSALAM

سلسلہ دورِ نبوت کے بچے 7

جنت کا متلاشی

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما



اشفاق احمد خاں

DARUSSALAM
دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

پتھریلی زمین سورج کی تپش سے سرخ ہو رہی تھی۔ آسمان پرندوں کے وجود سے خالی تھا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گرمی نے سب لوگوں کو اپنے گھروں میں دبک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن حیرت کی بات تھی، ایک بچہ جس کی عمر چند سال ہی ہوگی، گرمی سے بے پروا، ایڑیوں کے بل کھڑا ایک کھڑکی سے اندر جھانک رہا تھا۔ اندر کا منظر اس کے لیے بہت وحشت ناک تھا۔ اس کے ذہن میں چنگاریاں سی اُڑ رہی تھیں، وہ سوچ رہا تھا، یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ قیامت کیوں ڈھائی جا رہی ہے۔ اچانک اندر سے ایک دردناک، اذیت سے بھرپور چیخ اُبھری، وہ بچہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

جس گھر کی کھڑکی سے وہ اندر جھانک رہا تھا، وہ کسی اور کا نہیں اُس کا اپنا گھر تھا، اس کا نام عبداللہ تھا۔ گھر کے اندر اس نے جو قیامت خیز منظر دیکھا تھا، وہ اس



کے لیے بہت ہی عجیب تھا۔ اس کا باپ عمرو اپنے ایک غلام کو بدترین تشدد کا نشانہ بنا رہا تھا۔ اچانک اندر سے اس کے باپ کی غضب آلود آواز اُبھری۔ عبداللہ پھر کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کا باپ کہہ رہا تھا:

''تم میرے غلام ہو۔ تمہارا جسم میرا ہے، تمہاری ایک ایک سانس میری ملکیت ہے۔ تمہاری نیت، تمہارے ارادے، سب میرے حکم کے تابع ہونے چاہئیں۔''

''میرے آقا! میں اب بھی آپ کا غلام ہوں، دل و جان سے آپ کا غلام ہوں۔ آپ کی ہر خدمت بجالانے کے لیے تیار ہوں۔''

عبداللہ نے حیرت سے اس غلام کے لہولہان چہرے اور کٹے پھٹے بدن کو دیکھا۔ ظلم کا ہر وار سہہ کر بھی وہ اطاعت کی انتہا کیے جا رہا تھا۔ لیکن غلام کی اگلی بات اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی۔ وہ کہہ رہا تھا:

''لیکن میرے آقا' ایمان میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

عبداللہ کے باپ عمرو نے کوڑے کا ایک زبردست وار اُس کے برہنہ سینے پر کیا تو غلام تکلیف سے تڑپ اُٹھا۔

''تمہاری یہی ہٹ دھرمی میرے غضب کی آگ کو بھڑکا رہی ہے۔ تم میرے غلام ہو، تمہارا دین بھی وہی ہونا چاہیے جو میرا ہے۔''

''نہیں میرے آقا، دین جسموں کا نہیں، روحوں کا سودا ہوتا ہے۔ میرے جسم

کا ایک ایک ذرہ، آپ کی غلامی کا طوق پہنے ہوئے ہے لیکن میری روح دینِ ابراہیمی پر ایمان لا چکی ہے۔''

''غلام! تم برباد ہو جاؤ گے۔'' عمرو طیش سے پکارا۔

''نہیں میرے آقا! میری آخرت سنور جائے گی۔'' غلام نے ایمان کے جذبوں سے سرشار ہو کر کہا۔

''جس کی دنیا برباد ہو جائے، اس کی آخرت کہاں باقی رہتی ہے!'' عمرو نے اُسے طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہا۔ اس کے مشرکانہ عقائد کی تعلیم یہی کہتی تھی کہ دنیا بس یہی ہے اور سب کچھ یہیں ختم ہو کر رہ جائے گا۔

''آقا! یہی تو فرق ہے میرے اور آپ کے دین میں۔'' غلام نے زخمی چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔



''میرے دین میں دنیا کی قیمت پر، آخرت کو برباد نہیں کیا جا سکتا۔''

''تم بھیانک موت مرو گے۔'' عمرو نے اُسے دھمکایا۔

''میرے آقا، جب آپ کا ہر تشدد مجھے ایمان چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکا، تو موت جیسا آسان راستہ مجھے صراط مستقیم سے کیسے ہٹا سکتا ہے۔'' غلام نے اپنے زخموں سے چور بدن کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ کم سن بچہ عبداللہ حیران رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسا جذبہ ہے، یہ کون سا دین ہے جس نے اُس غلام کی روح کو سرشار کر رکھا ہے۔ اُسے اپنے بدن کے زخموں کی تو پروا تک نہیں لیکن اپنی روح کی سچائی اور ایمان پر زد پڑنا، ذرا سی خراش آنا اُسے منظور نہیں۔ ذہن چھوٹا تھا، معاملہ بڑا تھا، اُس کی سوچیں پریشان ہو کر رہ گئیں۔ کانوں میں غلام کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ اُس کا باپ عمرو شاید اب غلام پر تشدد کے نئے حربے آزما رہا تھا۔ عبداللہ نے ایک بار پھر اُس کھڑکی سے اندر جھانکا تو اُس کا جسم لرز کر رہ گیا۔ غلام کا شکستہ جسم دیکھ کر اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ غم زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ دھوپ سے تپتی زمین پر ننگے پاؤں چل رہا تھا، انگارہ بنی زمین، اُس کے پاؤں میں آبلے ڈال رہی تھی، لیکن اُس کا ذہن تو اُس غلام کی باتوں میں کھویا ہوا تھا۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے، کسی چیز سے اتنی زیادہ محبت بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے لیے ہر خوشی' ہر راحت اور ہر آسائش ترک کر دی جائے۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ

غلام سچائی کے راستے پر ہے۔

عبداللہ کی آنکھ ایسے کئی تماشے دیکھ چکی تھی۔ ہر دفعہ ہی اُس پر حیرت کے کئی نئے دروازے کھلتے۔ ایک دفعہ تو حد ہو گئی۔ اُس کے دادا عاص نے اپنے ایک غلام کو زنجیروں میں جکڑ کر تپتی زمین پر ڈال دیا، اُس کی پشت آبلوں سے بھر گئی۔ وہ اُس سے بھی اپنی بات منوانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اُس کا جواب بھی وہی تھا:

''محمد کا دین نہیں چھوڑوں گا۔''

ہر سزا کا جواب وہ یہی دیتا تھا:

''اَشھَدُاَنْ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ''

تب عبداللہ کے ذہن کے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔ ''یہ لوگ سچائی پر ہیں۔'' اس نتیجے پر پہنچتے ہی اُس کے معصوم دل میں تڑپ پیدا ہو گئی۔ وہ جاننا چاہتا



تھا کہ یہ دین کیا ہے، اس پر کیسے چلا جا سکتا ہے؟ وہ بھی اپنے باپ دادا کے غلاموں کی طرح حق پر ایمان لانے کا اعلان کرنا چاہتا تھا لیکن وہ ابھی بچہ تھا، مجبور اور لاچار تھا۔ اُس کے پاس نہ قوت تھی اور نہ طاقت کہ سب کے سامنے ڈٹ کر اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا، چنانچہ خود پر جبر کر کے آنے والے اچھے وقت کا انتظار کرنے لگا۔

وقت کا پہیہ گردش کرتا ہوا بالآخر اپنے دامن میں اُمید کی ایک کرن لے کر آیا۔ اُس کے چچا ہشام نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ چچا کے اس اقدام نے اُس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ کیونکہ عبداللہ کو ان سے بہت محبت تھی، اور وہ بھی اُس سے بہت اُلفت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ عبداللہ کے لیے اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ عبداللہ دس سال کا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا جذبہ دل میں لیے مکہ سے مدینہ کی طرف بھاگ نکلا۔ راستے کی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرتے، بالآخر مدینہ جا پہنچا۔ دیارِ حبیب پہنچ کر اس کے دل کو سکون مل گیا۔ بارگاہِ نبوی میں حاضری دی، پھر ہمیشہ کے لیے وہیں کا ہو کر رہ گیا۔

یہ جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنوسہم سے تھا۔ اس کا شمار مکہ کے معزز ترین خاندانوں میں ہوتا تھا۔

دولت و ثروت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ مکہ کی سرداری بھی اسی خاندان کے افراد کے پاس تھی۔ لوگوں کے مسائل، جھگڑوں اور الجھنوں میں یہی لوگ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے فیصلوں کو حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔ اور دل و جان سے اُن کا احترام کیا جاتا تھا۔

آپ کے دادا عاص بن وائل کا شمار مکہ کے مالدار تاجروں میں ہوتا تھا۔ لیکن وہ رسول کریم ﷺ اور اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں، وہ اپنے کفر پر فخر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ عاص کی پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں گزری۔ وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد کفر ہی کی حالت میں مرگیا۔ اس وقت اُس کی عمر پچاسی برس تھی۔ عاص بن وائل کی بدترین دشمنی کی وجہ سے، اس کے متعلق قرآن کریم میں

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴾ ''بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر ہے''۔

ابتر کا مطلب ہے، نسل کا ختم ہو جانا، جس کی نسل ختم ہو جائے، جو بھلائی سے محروم ہو جائے۔ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ کے دونوں بیٹے قاسم اور عبداللہ فوت ہو گئے اور صرف بیٹیاں ہی باقی رہ گئیں تو عاص نے آپ ﷺ پر طنز کرتے ہوئے کہا:

''محمد (ﷺ) کی نسل آج کے بعد ختم ہو گئی، جب یہ فوت ہو جائیں گے تو پیچھے ان کو یاد کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔''

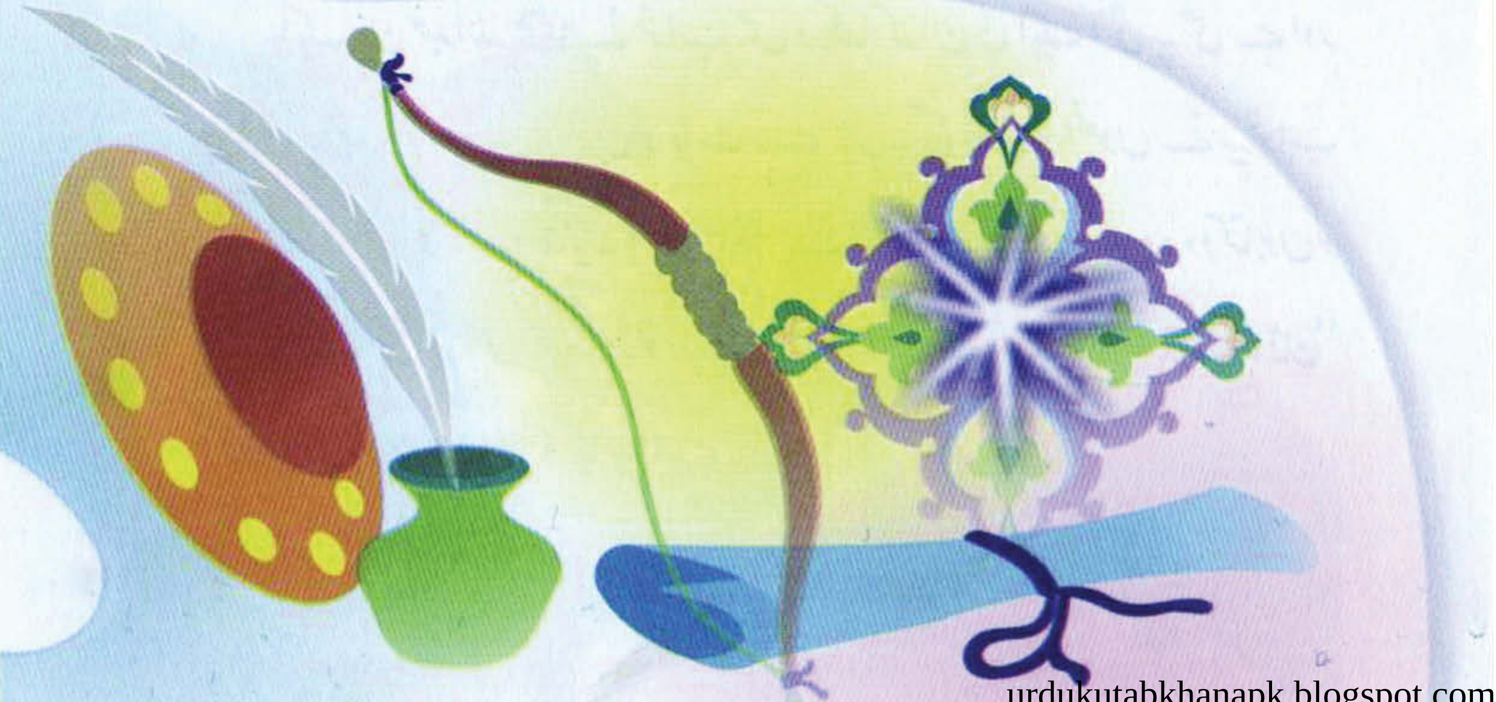
قرآن کا کہا سچ ثابت ہوا' عاص بھلائی سے محروم رہا، کفر کی حالت ہی میں مرا، آج اس کو یاد کرنے والا بھی کوئی نہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عمرو تھا۔ وہ قریش کے دانا لوگوں میں سے ایک تھے۔ اُن کی دانائی اور عقل وفہم کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ ابتدا میں وہ بھی اپنے باپ عاص کی طرح مسلمانوں کے سخت مخالف تھے۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت کی توفیق بخشی۔ 8 ہجری میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ ان کی آمد اور ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان دنوں جنگ ''ذات السلاسل''

سر پر تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: میں تم کو لشکر کا امیر مقرر کرتا ہوں۔ یوں جاتے ہی ان کو جہاد جیسے عظیم فریضے کے لیے تیار کیا گیا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی والدہ بھی ابتدا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ جنگ اُحد میں وہ کفار کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اُبھارتی تھیں۔ لیکن فتح مکہ کے موقع پر ان کو ہدایت کی روشنی نصیب ہوگئی۔ وہ بھی مسلمان ہوگئیں۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ایک معزز خاندان کے فرد تھے۔ جن کو وراثت میں عقل مندی بہادری اور فصاحت و بلاغت جیسی صفات ملیں۔ تاریخ میں اپنا نام اور مقام بنانے کے لیے یہ خوبیاں کافی تھیں۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ جو چیز ایک دفعہ سن لیتے، ہمیشہ کے لیے ذہن نشین ہو جاتی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بہت کم لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ آپ کے دادا عاص کے پاس یہودی



اور عیسائی بطور مہمان آتے رہتے تھے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اس کے بیٹے عبداللہ کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں کیونکہ وہ اس کی ذہانت کو جانچ چکے تھے۔ باپ کا یہ ارادہ پورا ہو گیا۔

کم سن عبداللہ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کچھ ہی عرصے میں انھوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اُس وقت پورے مکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد سات سے زیادہ نہیں تھی۔ جو بھی عربی کتاب ان کے ہاتھ لگتی، اُسے فوراً پڑھ ڈالتے۔ ان میں علم کی پیاس اتنی شدید تھی کہ ہر وقت علم کی لگن ان کے دل میں جاگتی رہتی۔ پھر ان کے دل و دماغ میں ایک اور خیال نے جگہ بنا لی کہ جب تک وہ کسی اور زبان کو نہیں سیکھتے، تب تک ان کی علمی پیاس نہیں بجھے گی۔ ان کے اس خیال اور شوق نے ان کو سریانی زبان سیکھنے کی طرف مائل کر دیا۔ چنانچہ اپنی محنت سے انھوں نے سریانی زبان سیکھی ہی نہیں بلکہ وہ اس کے ماہر بھی ہو گئے۔

ایک دن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی ایک انگلی پہ گھی ہے اور دوسری پہ شہد، اور وہ ان دونوں کو چاٹ رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو انھوں نے یہ خواب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ وہ دو کتابوں کو پڑھیں گے یعنی قرآن مجید اور تورات کو۔ اسی وجہ سے آپ کو ''قاری الکتابین'' (دو کتابوں کو پڑھنے والا) کہا جاتا ہے۔

یہاں ایک بات کو جاننا اور سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قرآن مجید نازل ہونے کے بعد تورات پڑھے یا اس کو زبانی یاد کرے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بے شک تورات بھی آسمانی کتاب ہے، اسے بھی قرآن کی طرح ہدایت کے لیے اُتارا گیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے اس کے احکامات کو اپنی مرضی اور اپنے فائدے کے لیے بدل ڈالا۔ اب اس کتاب کو پڑھ کر حق اور باطل میں فرق معلوم کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کے مطالعے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ اس اعتبار سے اس کو دیکھنا کہ اس میں کیا کچھ ہے تاکہ پڑھ کر یہودیوں کا مقابلہ کیا جا سکے، اُن کی تعلیمات کی روشنی میں اُن کا توڑ کیا جا سکے، کسی حد تک اس کو پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن نہ پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

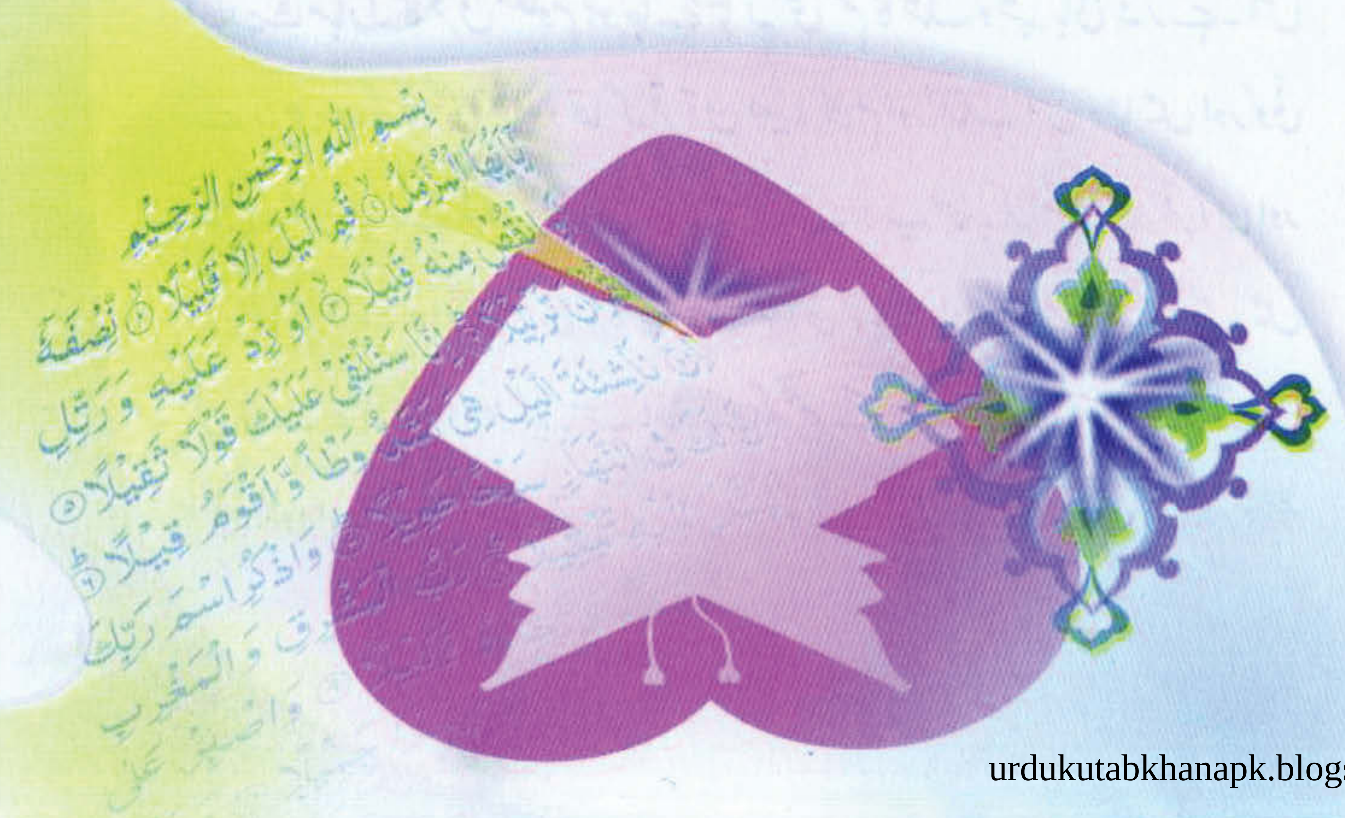


جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ، کہنے لگے: ہم یہودیوں کی باتیں سنتے ہیں ،ہمیں کچھ باتیں اچھی لگتی ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ان کی کچھ باتیں لکھ لیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''کیا تم شک میں ہو، یا یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح حیران ہو۔ میں تمہارے پاس صاف ستھرا دین لے کر آیا ہوں۔ اگر آج صاحب تورات بھی ہوتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے ، ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما جب مسلمان ہوئے تو اس وقت قرآن پاک کی کئی آیات اور سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاس جا کر قرآن سنتے ، پھر اُس کو حفظ کر لیتے اور بعد میں لکھ لیتے۔ آپ نے جلیل القدر صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے باقاعدگی سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ جو قرآن نازل ہوتا، اس کو فوراً لکھ لیتے تھے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ تمام قرآن انھوں نے لکھ لیا تھا۔

آپ کا قرآن کے ساتھ بہت گہرا دلی تعلق تھا۔ آپ بہت زیادہ قرآن پڑھتے تھے اور کبھی بھی اس سے اکتاتے نہیں تھے۔ آپ قرآن پاک کو یاد کر لینا ہی کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے ساتھ دلوں کو آباد کرنا ضروری سمجھتے تھے، تاکہ یاد کرنے کے بعد اللہ کا فرماں بردار بندہ بن سکیں۔ اس میں بتائے گئے حلال کو حلال

جانا اور حرام کو حرام سمجھا جائے۔ قرآن کی دعوت پر ہمیشہ لبیک کہا جائے۔ اسی لیے جب آپ تلاوت کرتے تو پورے یقین اور ایمان کی کیفیت کے ساتھ ہر کلمے پر ٹھہرتے، اُس پر غور وفکر کرتے۔ دورانِ تلاوت جب جنت کا ذکر آتا تو آپ کی کیفیت کچھ یوں ہو جاتی جیسے جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، جب دوزخ کا ذکر آتا تو اس طرح گھبرا جاتے جیسے دوزخ کے عذاب اور وہاں کی چیخ پکار کو سن رہے ہیں۔ تلاوت کے دوران آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ کی لذت اور سعادت وہی انسان حاصل کر سکتا ہے جو دل و دماغ کی پوری گہرائی، توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھے۔ قرآن کی قراءت کی لذت جس نے بھی پائی، دنیا کی دوسری تمام لذتیں اُس کے سامنے ہیچ ہو گئیں۔



عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما صرف قرآن ہی سے محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ سنتِ رسول ﷺ کے بھی شیدائی تھے۔ جو بات بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتی، یا آپ ﷺ جو بھی کام کرتے، عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کو بغور سنتے، اس کو ذہن میں نقش کر لیتے۔ انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی اجازت کے ساتھ کئی احادیث مبارکہ کو لکھا۔ حالانکہ صحابہ کرام اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ قرآن کی طرح، کسی اور چیز کو بھی لکھا جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو احادیث لکھنے سے منع فرمایا:

''تم میری بات نہ لکھو۔ جو کوئی تم میں سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ بیٹھا ہے اس کو مٹا دو!''

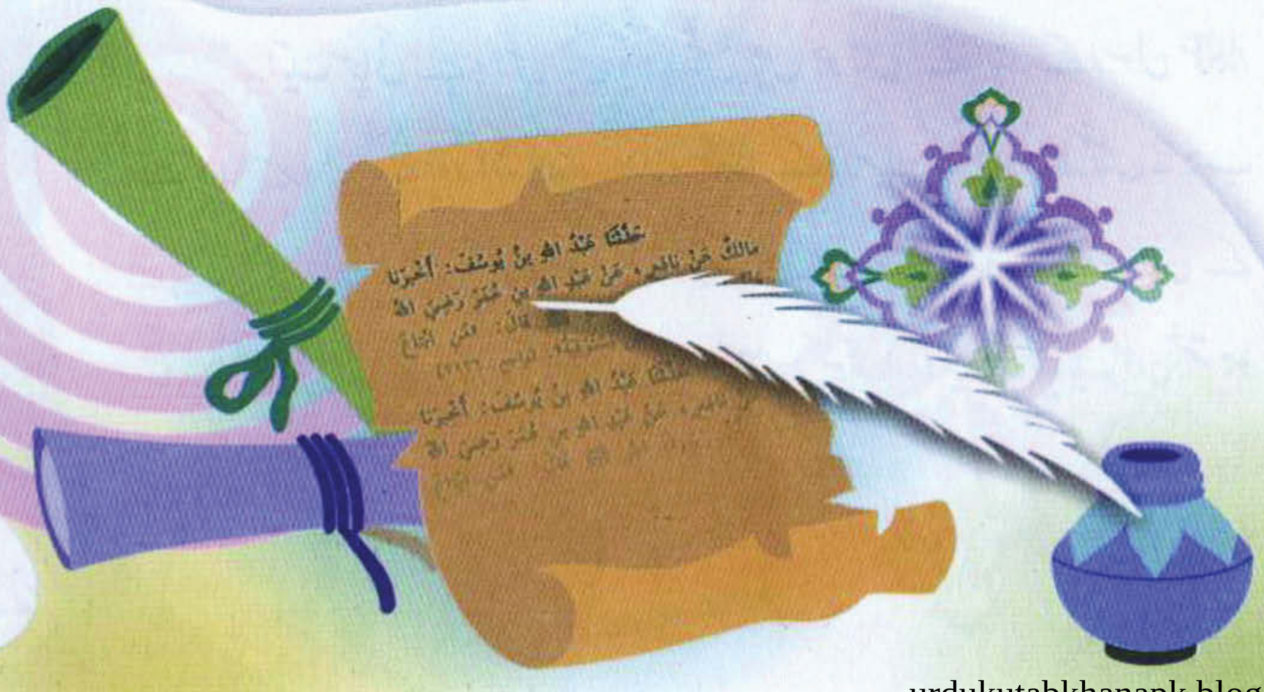
اس ہدایت اور تنبیہ کا مقصد غالباً یہ تھا کہ قرآن ان کے دل و دماغ میں اچھی طرح مضبوط اور پائیدار ہو جائے۔ انھیں قرآن مجید کی لکھائی کے ساتھ احادیثِ مبارکہ کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود تھا کہ قرآن جیسا کلام اور کتاب اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ لیکن یہ سب شروع شروع کی باتیں تھیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن اور اس کی تعلیمات کو اچھی طرح پہچان گئے۔ قرآنی آیات اور احادیث کے آپس میں مل جانے کا خدشہ ختم ہو گیا۔ تب احادیث کو قلم کے ساتھ لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ خود عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں ہر وہ بات لکھ لیا کرتا تھا جو رسول اللہ ﷺ

کی زبان اطہر سے نکلتی تھی اور میرے کانوں میں پڑ جاتی تھی۔ مجھے لکھتے دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے منع کر دیا کہ آپ ہر بات جو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو، لکھ لیتے ہو، حالانکہ اللہ کے رسول ایک انسان ہیں کبھی آپ غصے کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی ناراضی کی حالت میں۔"

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کے کہنے پر لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے عبداللہ! تم لکھا کرو، اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس زبان سے حق کے علاوہ کوئی کلمہ نکلتا ہی نہیں۔"

لکھنے کی وجہ ہی سے آپ کو دوسرے صحابہ کرام سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔ حتیٰ کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ احادیث آپ کو یاد تھیں۔ خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ



فرماتے تھے: ''مجھ سے زیادہ کسی صحابی کو احادیث مبارکہ یاد نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے، اس لیے کہ وہ لکھتے تھے، میں نہیں لکھتا تھا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام احادیثِ مبارکہ کو لکھ لیا کرتے تھے۔ یہ احادیث ایک مجموعے کی شکل اختیار کر گئی تھیں، اور ان کو لوگ ''صحیفۂ صادقہ'' کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ صحیفہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بڑا محبوب تھا۔ آپ اس میں کسی لفظ کو نہ تبدیل کرتے اور نہ ہی اپنی طرف سے الفاظ میں کوئی کمی بیشی کرتے۔

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اُن کی چارپائی کے نیچے سے اس صحیفہ کو نکال لیا، جب انھوں نے دیکھا تو مجھے روک دیا کہ اسے واپس رکھ دو۔ میں نے کہا: ''آپ تو مجھے کسی چیز سے نہیں روکتے تھے، آج کیوں اس صحیفہ سے روک رہے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا:

''یہ ایک سچائی ہے، اس میں وہ باتیں ہیں جو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں، میرے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ جب میرے پاس یہ دو چیزیں محفوظ ہوں گی یعنی یہ صحیفہ اور اللہ کی کتاب تو مجھے اس کے مقابلے میں اپنی زرخیز زمین کی بھی کوئی پروا نہیں، کیونکہ یہ دنیا ہے، ایک دن ختم ہو جائے گی۔''



صحیفۂ صادقہ سے چند احادیثِ مبارکہ پیش خدمت ہیں:

- رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔
- عصر کی نماز کے بعد، غروب آفتاب تک کوئی نفلی نماز نہیں ہوتی۔
- کھاؤ پیو، صدقہ خیرات کرو، جو چاہو کپڑے پہنو، شرط یہ ہے کہ اس میں فضول خرچی اور تکبر نہ ہو۔
- وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، بڑوں کا ادب نہیں کرتا۔
- کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب کون ہے اور قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب کون ہوگا جس کا تم میں سے اخلاق اچھا ہوگا۔
- جب تمہارے بچوں کی عمر سات برس ہو جائے تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔



عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت متقی اور پرہیز گار تھے۔ ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے۔ دن میں روزہ رکھتے، اور راتوں کو اپنے اللہ کے حضور جھک کر عجز و انکسار کے ساتھ نوافل ادا کرتے۔ جب بھی ذرا فارغ وقت ملتا، قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قرآن سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ قرآن کی تلاوت کو آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھتے تھے۔ اسی لیے اپنے شب و روز اسی میں گزارتے۔

ایک مرتبہ اُس وقت تک جتنا قرآن نازل ہوا تھا، سارا ایک ہی رات میں پڑھ لیا۔ جب اس بات کی اطلاع اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ تین دن سے پہلے مکمل نہ کیا کرو۔ اس واقعہ کے بارے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما خود کہتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید کو جمع کیا، پھر اس کو ایک ہی رات میں پڑھ لیا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک ماہ میں مکمل کیا کرو!"

میں نے کہا: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ نے طاقت دی ہے، نوجوان ہوں زیادہ پڑھنے کی اجازت دیجیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دس دنوں میں مکمل کر لیا کرو!"

میں نے کہا: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے بھی زیادہ پڑھنا چاہتا ہوں

اجازت دیجیے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''سات راتوں میں مکمل کر سکتے ہو۔''

میں نے پھر عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ ، مجھے اس سے بھی زیادہ پڑھنے کا شوق ہے، مزید اجازت عطا فرمائیں۔''

لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی فرمایا: ''جس آدمی نے تین راتوں سے پہلے قرآن کی تلاوت مکمل کی گویا کہ اُس نے قرآن سمجھا ہی نہیں۔'' نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں ہمارے لیے بڑا واضح سبق ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، وہ آسانیاں پسند کرتا ہے، مشکلات پیدا نہیں کرتا، دین نے ہمیں جو آسانی اور سہولت دے رکھی ہے، اُس



سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، بلاوجہ اپنے آپ کو تنگی میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اسلام نے ہمیں شب و روز کے اکثر اوقات میں' عبادت کے عمدہ طریقے سکھائے ہیں، اگر ہم سادگی کے ساتھ اُن پر عمل پیرا ہوں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوگی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عمدہ عبادت، کثرت سے اللہ کا ذکر، قرآن کریم کی تلاوت اور روزہ ایک مومن انسان کے دل پر بہت زیادہ اثر کرتا ہے۔ ان عبادات کے کرنے سے دل بہت ہی زیادہ نرم ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی کا دل نرم پڑ جائے تو پھر وہ آنسوؤں سے روتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بھی ایسے لوگوں میں سے ایک تھے جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے کثرت سے روتے رہتے تھے۔

یعلی بن عطا رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے لیے سرمہ تیار کرتی تھیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں میں ڈالیں، اس لیے کہ وہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے کثرت سے روتے رہتے تھے۔ اپنے دروازے کو بند کر لیتے اور دیر تک روتے رہتے، رونے کی وجہ سے ان کی بینائی تقریباً ختم ہوگئی تھی۔ کیا یہ وہی انسان نہیں جو کہہ رہا ہے:

''اللہ کی راہ میں ایک آنسو بہانا مجھے اللہ کی راہ میں ایک ہزار دینار خرچ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

ایک دفعہ عبادت کے حوالے سے ایک بڑا عجیب قصہ ہوا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بارے میں بتاتے ہیں: ایک مرتبہ ہم اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی انسان آنے والا ہے۔''

ہم نے دیکھا تو آنے والا ایک انصاری تھا۔ اہلِ مدینہ کو انصاری کہتے ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں خوش آمدید کہا اور ان کی رسالت کو تسلیم کیا۔ اُس انصاری کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرے گر رہے تھے، بائیں ہاتھ میں اُس نے اپنے جوتے اُٹھائے ہوئے تھے۔ دوسرے روز ہم اسی طرح بیٹھے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی انسان آنے والا ہے۔''



ہم نے دیکھا کہ آنے والا تو وہی آدمی ہے جو کل آیا تھا۔ تیسرے روز پھر اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ایک جنتی ابھی آنے والا ہے۔''

دیکھا تو پھر وہی انصاری ظاہر ہوا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ مجلس سے رخصت ہوئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ اُس انصاری کے پیچھے چل پڑے جس کو تین دفعہ جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ اُس انصاری سے انھوں نے کہا:

''میرا اپنے والد صاحب سے جھگڑا ہو گیا ہے، میں نے قسم کھائی ہے کہ تین روز تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا، کیا میں تین روز کے لیے آپ کے ہاں قیام کر سکتا ہوں؟''

اُس انصاری نے جواب دیا: ''کوئی بات نہیں، آپ ہمارے ہاں ٹھہر جائیں۔''

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ہمیں بتایا:

''میں نے تین راتیں اُس انصاری کے گھر قیام کیا لیکن اُس میں ''قیام اللیل'' والی کوئی جھلک نہ دیکھی، یعنی راتوں کو اُٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے قطعی نہ دیکھا۔ سوائے اس کے کہ جب وہ اپنے پہلو کو بدلتا تو اللہ کا ذکر کرتا، اذان کے وقت نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا تا کہ نماز فجر ادا کرے۔ میں نے بھلائی کے اس کلمہ کے علاوہ اس کی زبان سے کوئی لفظ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں

ممکن تھا میں اُس کی عبادت کو حقیر جانتا، میں نے اُسے اصلی صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے بندے! میرا والد صاحب سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا، نہ ہی انھوں نے مجھے گھر سے نکالا ہے۔ میں نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں سنا کہ عنقریب تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آنے والا ہے۔ میں نے تین مرتبہ دیکھا تو وہ خوش قسمت آپ ہی تھے۔ میں نے سوچا کہ دیکھوں آپ کیا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے تاکہ میں بھی آپ جیسا عمل کروں اور جنت کا حق دار بن جاؤں۔ لیکن میں نے تو آپ میں کوئی بڑا عمل نہیں دیکھا۔ آخر کس وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو تین مرتبہ جنت کی بشارت دی ہے۔ مجھے اس کے بارے



میں ضرور بتائیں؟''

اُس انصاری نے کہا: ''آپ نے جو کچھ دیکھا، بس یہی عمل تھا۔ میں تو اتنا ہی عمل کرتا ہوں۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں واپس آنے لگا تو انھوں نے مجھ سے کہا: ''ٹھہرو! میں جو عمل کرتا ہوں، آپ نے دیکھ لیا، لیکن اس کے علاوہ ایک بات اور ہے، میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کینہ، بغض نہیں رکھتا اور جو کچھ اللہ نے کسی کو دے رکھا ہے اس پر حسد نہیں کرتا۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''یہی وہ کام ہے جس کی وجہ سے آپ کو جنت کی بشارت ملی ہے۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مقصد ہی آخرت کی کامیابی تھا۔ اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سما گیا تھا کہ دنیا کا سامان تو عارضی ہے اور آخرت تو صرف پرہیزگار کے لیے ہے۔ تم پر کل قیامت کے دن ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ان کے اندر بے انتہا عاجزی اور انکساری تھی۔ عاجزی اور انکساری کی پہلی علامت یہ ہے کہ آپ لوگوں کی عزت و وقار کو پہچانیں۔

حسن بن شفیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کا ایک شاگرد حاضرِ خدمت ہوا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تمہارے پاس وہ آدمی آیا ہے جو زیادہ جانتا ہے۔''

جب وہ بیٹھ گیا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

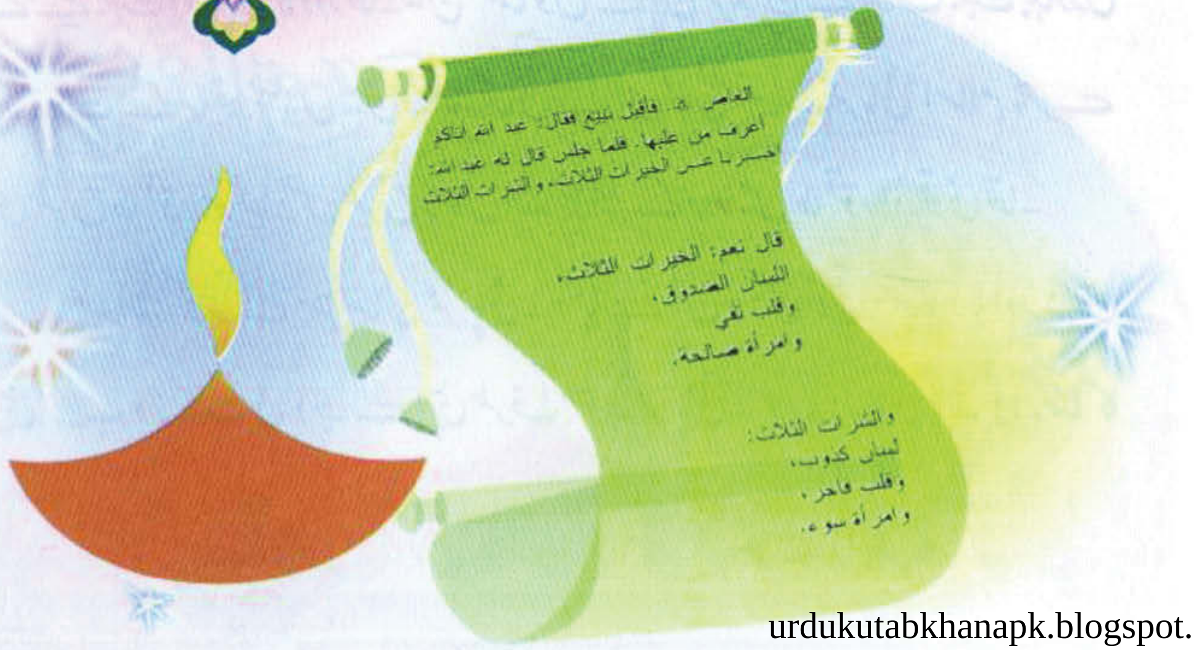
''ہمیں تین اچھی اور تین بری چیزیں بتاؤ!''

اُس نے ادب کے ساتھ کہا: ضرور بتاؤں گا! بھلائی کی تین چیزیں یہ ہیں:

1- سچی زبان
2- پرہیز گار دل
3- نیک عورت

تین بری چیزیں یہ ہیں:

1- جھوٹ بولنے والی زبان
2- گناہ گار دل
3- بُری عورت



یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ حاضرین سے کہنے لگے: ''میں نے تمہیں کہا تھا نا!''

عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت بہادر، شہسوار اور دلیر جنگجو تھے۔ جنگ کے میدان میں بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اُن کی عبادت کے معمولات اُن کو جہاد سے نہیں روکتے تھے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے۔ اُن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دو تلواروں کے ساتھ ایک ہی وقت میں لڑائی لڑتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کئی جنگوں میں شریک ہوئے، فتح مکہ جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی واضح فتح قرار دیا، اُس میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ غزوۂ حنین میں بھی آپ نے کامیابی کی مٹھاس چکھی۔ غزوۂ تبوک میں بھی آپ نے شرکت کی۔ ''جیشِ رِدّۃ'' میں آپ نے اپنے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسلامی لشکر کی جانب سے شرکت کی۔ جیش ردۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے یعنی اسلام سے پھر گئے تھے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بہت آزمائش کا دور تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اُن مرتدین کے خلاف بہت بہادری اور جرأت کے ساتھ جنگیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو فتح نصیب فرمائی، اسلام پھر سے اسی طرح طاقتور ہو گیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں طاقتور اور قوی تھا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ستر سال عمر پائی۔ دنیا نے اُن کو کبھی کوئی دھوکا دیا اور نہ ہی اپنی زیب و زینت کی وجہ سے اپنی طرف متوجہ کر پائی۔ پوری زندگی اللہ کی رضا کا

خیال رکھا۔ رکوع و سجود، ذکرِ الٰہی اور قرآن کی تلاوت ہمیشہ اُن کی زندگی کا حصہ رہے۔ اپنی زبان کی ہمیشہ حفاظت کی۔ کتابوں کی صورت میں انھوں نے ہمارے لیے بہت علم چھوڑا، ایسا علم جو اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنا۔ جب بھی کوئی سیکھنے والا اس علم کو سیکھے گا یا کوئی پڑھنے والا پڑھے گا تو ان کو مسلسل ثواب ملتا رہے گا۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے چند اقوال اس دعا کے ساتھ پیش خدمت ہیں کہ اللہ اُن سے ہمارے لیے ہدایت اور رہنمائی کے دروازے کھول دے۔

* ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد وہ ایک سوئے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرے، اس کو اپنے پاؤں کی مدد سے ہلایا اور اُٹھا کر کہا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس گھڑی میں اپنی مخلوق کو دیکھتے ہیں، پھر اُن میں سے ایک جماعت کو اپنی رحمت کے ساتھ جنت میں بھیج دیتے ہیں۔



* عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جو کسی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود اُس میں گر پڑتا ہے۔
* اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ بھلائی کے متعلق جو میں آج کرتا ہوں یہ ہمیں اُس عمل سے زیادہ محبوب ہے جو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کرتے تھے، اگرچہ وہ اس سے دوگنا بھی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور ہمیں صرف آخرت کی فکر ہوتی تھی، ہمیں دنیا کی کوئی پروانہیں تھی۔ آج ہم دنیا کی طرف جھک چکے ہیں آخرت کو بھول گئے ہیں۔
* آپ فرمایا کرتے تھے: اس چیز کو چھوڑ دو جس کا آپ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ ایسی بات نہ کریں جو آپ کو فائدہ نہیں دے سکتی۔
* آپ نے فرمایا: اللہ کے خوف کی وجہ سے ایک آنسو بہانا میرے نزدیک ایک ہزار دینار خرچ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

جنت کا متلاشی

راستے ہمیشہ دو ہی ہوتے ہیں
ایک صحیح اور ایک غلط
وہ لوگ قسمت کے بڑے دھنی ہوتے ہیں
جن کو صحیح راستے .... صراطِ مستقیم کی پہچان ہو جائے
خاص طور پر شعور پانے کی عمر میں ....
ایمان کی حرارت جب دل میں جگہ پا لیتی ہے
تو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کے راستے کھل جاتے ہیں
ان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا
شعور پانے کی عمر میں حق کی حلاوت چکھی تو
علم کی پیاس نے انھیں بے قرار کر دیا
عربی کے ساتھ ساتھ زبان غیر کو سیکھا اور
قرآن و تورات کے مطالعہ سے ''قاری الکتابین'' کہلائے
تقویٰ، پرہیزگاری، قرآن سے محبت اور جہاد سے شغف اُن کی پہچان تھے
احادیث کو سب سے پہلے انھوں نے لکھنے کی روایت ڈالی
اسی بنا پر انھیں سب سے زیادہ احادیث یاد رکھنے کا بھی شرف حاصل تھا
صحبتِ نبوی سے فیض یاب ہونے والے، تربیت نبوی کا شرف پانے والے
عظیم صحابی .... کی کہانی .... سچائی کے پیرائے میں

دار السلام
DARUSSALAM
دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی